

## بتقریب یوم اقبال

# اقبال اور کمینوزم

ہمارے اہل چوک نہ شریک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ ہے، نہ قائد اعظمؒ یا علامہ اقبالؒ کے قابل اعتماد سوانح حیات اس لئے فتنہ گروں کے لئے، الزام تراشیوں اور تہمت بافیوں کی سزا بڑی سزا کا رہے۔ کبھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تقسیم ہند کی اسکیم دراصل انگریز کی تخلیق تھی اور قائد اعظمؒ برطانیہ کے آلہ کار تھے۔ کبھی آواز اٹھتی ہے کہ قائد اعظمؒ پاکستان کو میکرو اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ (اور اب تو خیر سے ایک بزرگوار نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی شائع کر دی ہے۔۔۔۔۔)

یا العجب! دوسری طرف، علامہ اقبالؒ کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیلائی جاتی ہیں۔ کچھ عرصہ ہو یا یہ آواز اٹھتی کہ اقبالؒ کمیونسٹ تھا۔ طلوع اسلام نے اس کی بھرپور تردید کی تو یہ چنگاری خاموش ہو گئی لیکن معلوم ہوا کہ یہ دہ گئی تھی، کبھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جو حادثہ افغانستان کے سلسلہ میں کمیونسٹوں نے کر دیا ہے تو یہی فتنہ بھر پیدا کیا جا رہا ہے۔ یعنی یہ افواہ پھیلائی جا رہی ہے کہ اقبالؒ کمیونسٹ تھا۔ علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو اس الزام کی تردید خود فرما دیتے۔ لیکن اب اس فریضہ کی ادائیگی طلوع اسلام کے ذمہ ہے جو فکر اقبالؒ کا پناہ گزین ہے۔ ان مسطور کا محرک یہی جذبہ ہے۔ اقبالؒ کو کمیونسٹ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ اقبالؒ درحقیقت ہندو تھا اور اس کا۔۔۔۔۔ اصل نام اقبالؒ چند تھا! ویسے، کسی کو کمیونسٹ کہہ دینا آسان بھی بڑا ہے۔ جہاں کسی نے کہا کہ ملک میں کوئی جھوٹا نہیں رہنا چاہیے، مشہور کر دیا کہ وہ کمیونسٹ ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہو گا کہ خود طلوع اسلام کے خلاف بھی یہ فتنے صادر کیا گیا تھا کہ یہ کمیونسٹ ہے کیونکہ یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم نظام سرمایہ داری کے خلاف ہے۔ بہر حال سر دست بات اقبالؒ اور کمینوزم کی ہو رہی ہے اس لئے ہم اپنے صفحات فتنہ کو بیہوش تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

ہم متعدد بار وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ کمینوزم (یا اس کا قدم اول، سوشلزم) ایک معاشی نظام ہی نہیں بلکہ ایک فلسفہ زندگی اور نظریہ حیات ہے۔ جس کی بنیادوں پر اس کے معاشی نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اس کا فلسفہ حیات، اسلام کے نظریہ زندگی کی ضد ہے۔ اسی طرح جیسے دہریت اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کمیونسٹ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فلسفہ حیات کو تسلیم کیا جائے، اور اسے تسلیم کرنے کے بعد، اسلام کی کوئی گمنامی ہی نہیں رہتی۔ یہ وجہ ہے جو ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں کہ نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہو سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی مسلمان کمیونسٹ

یعنی کوئی شخص بیک وقت، مسلمان اور کمیونسٹ نہیں ہو سکتا۔ جو ایسا دعویٰ کرتا ہے (کہ وہ مسلمان بھی ہے اور کمیونسٹ بھی) وہ باجابل ہے یا منافق۔

البتہ جہاں تک کمیونزم کے معاشی نظام کا تعلق ہے، وہ قرآن حکیم کے معاشی نظام سے ایک حد تک ملتا جلتا ہے۔ بلکہ یوں کہیں کہ جس حد تک کمیونزم یا سوشلزم جاسکی ہے۔ قرآن اس سے کہیں آگے جاتا ہے۔ دہریہ صاحب کے ایک خطاب کا عنوان ہی یہ تھا۔ جہاں مارکس ناکام رہ گیا اس سے آگے! یہ ہے ان دونوں نظاموں میں وہ جزوی مماثلت جس سے سطح میں مسلمان دھوکا کھا جاتے ہیں، اور اسلام اور کمیونزم کو ایک دوسرے کا حلیف سمجھنے لگتے ہیں، یا جس سے فائدہ اٹھا کر، کمیونسٹ، مسلمانوں کو دھوکا دینے میں (بعض اوقات) کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ اقباہی کو کمیونسٹ ثابت کرنے میں اسی حربے سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ، جس طرح اسلام کے معاشی نظام کو اس کے فلسفہ حیات سے الگ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح کمیونزم (یا سوشلزم) کے معاشی نظام کو اس کے نظریہ زندگی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح مسلمان جوئے کے لئے، سب سے پہلے اسلام کے فلسفہ حیات پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح کمیونسٹ ہونے کے لئے کمیونزم کے نظریہ زندگی کا ماننا لازمی ہے۔ اور جس طرح کوئی شخص، محض اسلام کے معاشی نظام کو، صحیح سمجھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی شخص محض کمیونزم کے معاشی نظام کو تسلیم کر لے سے کمیونسٹ نہیں کہلا سکتا۔ اسلام اور کمیونزم دونوں میں، ان کے معاشی نظام کو ان کے فلسفہ حیات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ فلسفہ، کمیونزم کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کے فلسفہ حیات کا سمجھنا ضروری ہے۔

(۰)

جیسا کہ معلوم ہے، کمیونزم کا بانی کارل مارکس تھا۔ وہ محض ایک اہل معاشیات نہیں تھا۔ اس کا شمار فلاسفر کے زمرہ میں بھی ہوتا ہے۔ اس نے بنیادی طور پر ایک فلسفہ پیش کیا تھا اور پھر اس فلسفہ کی بنیادوں پر ایک معاشی نظام کا نقشہ دیا تھا جس کی ابتدائی شکل سوشلزم اور انتہائی کمیونزم ہے۔ لہذا، کمیونزم یا سوشلزم سے مراد ہے مارکس کا پیش کردہ فلسفہ حیات اور اس پر متغیر معاشی نظام۔ مارکس نے فلسفہ حیات کا رد سے، انسان کی زندگی بس یہی طبیعی زندگی ہے اور اس سے متعلق مسائل مادی۔ اس تصور حیات کے مطابق، نہ خدا کا وجود باقی رہتا ہے نہ وحی کا۔ جب وحی کا وجود باقی نہ رہے تو نہ نبوت کا تصور باقی رہتا ہے نہ اس کی وساطت سے عطا کردہ مستقل اقدار کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں حیات اخروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے مسئلہ زیر نظر کی حد تک، مارکس کے فلسفہ حیات کا ملخص۔

جہاں تک معاشی نظام کا تعلق ہے، مارکس کے نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ

۱۔ نظام سرمایہ داری کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب اس کی جگہ ایک ایسا نظام لے گا جو اس نظام (سرمایہ داری) کی مندرجہ ذیل

۲۔ اس جدید نظام میں، ذرائع پیداوار، افراد کی ذاتی ملکیت کے بجائے، محنت کشوں کی مشترکہ ملکیت (پبلک) میں رہیں گے۔

- ۳۔ فاضلہ دولت، جو نظام سرمایہ داری کی اصل و بنیاد ہے، کسی کے پاس نہیں رہے گی۔  
 ۴۔ جب فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہے گی تو دولت کی بنیاد پر، دوسروں کی محنت کو غصب کر کے، مزید دولت کمانے کا سوال باقی نہیں رہے گا۔ نہ ذاتی جائیدادیں کھڑی کی جاسکیں گی۔ نہ انفرادی کارخانے لگائے جاسکیں گے نہ سودی کاروبار ہو سکے گا، نہ یہ صورت پیدا ہو سکے گی کہ

آہستہ بر آہستہ دیگر چسپو!

دانہ ایسی می کار د آں حاصل بُرد

ان تصویحات سے واضح ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مارکس کے پیش کردہ فلسفہ و حیات کا کبھی مؤید نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا فلسفہ و حیات اور کسی فلسفہ و حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔  
 اب رہا معاشی نظام۔ سو اگر اسلام کا مفہوم غیر متعین رکھا جائے تو پھر مارکسی نظام، خلاف اسلام بھی ہو سکتا ہے اور مطابق اسلام بھی۔ لیکن اگر اس کے مفہوم کے لئے قرآن کریم کو حریف آخر قرار دے لیا جائے تو اس حقیقت کے اثبات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ قرآن کریم نظام سرمایہ داری کا سخت دشمن ہے اور اشتراکی نظام کسی حد تک قرآن کے معاشی نظام کے مماثل ہے۔  
 آئیے، ہم دیکھیں کہ اقبالؒ اس باب میں کیا کہتا ہے۔

(۱)

## اقبالؒ کا قلب درد آگیں

اقبالؒ نے اپنے سینے میں ایک درد آگین قلب پایا تھا جو مفلسوں اور ناداروں کی محنت کشوں اور مزدوروں کی زبوں حالی پر خون کے آنسو بن کر اس کی چشم گریوں سے ٹپک پڑتا تھا۔ ان کی سب سے پہلی (نثر کی) کتاب ”علم الاقتصاد“ ۱۹۰۵ء میں نثار ہوئی تھی۔ وہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

اس میں کچھ شک نہیں کہ تاریخ انسانی کے سیلِ رواں میں، اصولِ مذہب بھی بے انتہا مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ مگر یہ بات بھی روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے کہ روزی کمانے کا دھندا مہر وقت انسان کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے اور چپکے سے اس کے ظاہری و باطنی قویٰ کو اپنے سانچے میں ڈھانکا رہتا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ غریبی، یا یوں کہو کہ ضروریاتِ زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرزِ عمل کہاں تک متاثر ہوتا ہے۔ غریبی قویٰ انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے، بلکہ بسا اوقات انسانِ رذیل کے مجملہ آئینہ کو اس قدر رنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ معلّمِ آدل، یعنی حکیم ارسطو سمجھتا تھا کہ غلامی تمدنِ انسانی کے قیام کے لئے ایک ضروری جزو ہے، مگر مذہب اور زمانہ حال کی تعلیم نے انسان کی جبلّی آزادی پر زور دیا اور رفتہ رفتہ مذہب تو میں محسوس کرنے لگیں کہ یہ وحشیانہ تقاضاتِ ہمارے، بجائے اس کے کہ قیامِ تمدن کے لئے ایک ضروری جزو ہو، اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذہم اثر ڈالتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا مفاسی بھی نظمِ عالم میں ایک ضروری

جزو ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے گراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک درد مند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحہء عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے۔

یہ سلسلہ ۹۰۳ء کی بات ہے۔ غور کیجئے کہ اتنی سی عمر میں، اقبالؔ کے دل میں کس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے۔ یہ سوالات کہ

۱۔ آیا مفلسی بھی نظم عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ ..... اور

۲۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے گراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک درد مند دل کو ہلا دینے والا نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحہء عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے؟ ان سوالات میں ہمیشہ کے لئے "کے" انصاف بڑے غور طلب ہیں۔ اقبالؔ کی باقی زندگی (منجملہ دیگر امور) انہی سوالات کے اطمینان بخش جواب کی تلاش میں گزری۔ ظاہر ہے کہ ان کا جواب ہمارے مروجہ مذہب کے معاشی نظام سے نہیں مل سکتا تھا جس کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ نظم عالم کے لئے مفلسی ایک جزو لازم ہے۔ کیونکہ اگر مفلسی نہ رہے تو دولت مند لوگ صدقہ و خیرات دے کر ثواب کیسے حاصل کر سکیں گے، اور مفلسی سے گراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش نہیں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو صدقہ و خیرات سے متعلق احکام شریعت معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

لیکن اقبالؔ نے ان سوالات کا جواب قرآن حکیم کے عالم گیر ابدی ضابطہ حیات سے پایا۔ اور انہی جوابات کو وہ اُمت اور عالم گیر انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ سب سے پہلے انہیں قرآن کی دفتیں سے یہ جواب ملا کہ مفلسی اور ناداری کا بنیادی سبب، نظام سرمایہ داری ہے۔ اور جب تک اس نظام کی جڑیں نہیں کٹتیں، گراہنے والوں کی دل خراش صدائیں خاموش نہیں ہو سکتیں۔ ان صدائوں کا علاج، محتاجوں اور مفلسوں کی جھولی میں، بھیک کے ٹمکڑے ڈال دینے میں نہیں، ان کا علاج، اس نظام کو بدل دینے میں ہے جو انہیں مفلس اور محتاج بناتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر، اقبالؔ نے نظام سرمایہ داری کے خلاف جہاد کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے لیا۔ وہ اپنی مشہور نظم "خضرِ راہ" میں ————— جو سلسلہ ۹۲۲ء (۹۰) میں کہی گئی تھی ————— خضر سے سوال کرتے ہیں کہ

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے  
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خرروش؟

اور خضر کی زبانی اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

بندہ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے!

خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار جیلہ گر      شاخ آج پودہ ہی صدیوں تلک تیری ہرات  
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار      انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور رات!



اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے  
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اسی زمانہ میں، ان کا فارسی مجموعہ کلام، پیامِ مشرق، شائع ہوا۔ اس کے آخری باب ”نقشِ فرنگ“ کا بیشتر حصہ، محنت اور سرمایہ کے اہم موضوع کے لئے وقف ہے۔ یہ اشعار فارسی زبان میں ہیں۔ طلوعِ اسلام میں جب بھی فارسی کے اشعار دیئے گئے جاتے ہیں تو اکثر یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان کا اردو ترجمہ کر دیا جائے کہ اسے کیونکہ اب فارسی بہت کم لوگ سمجھتے ہیں (بالخصوص ہماری نئی نسل کا تعلیم یافتہ طبقہ اس سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ یہ طالب علم تو اب اردو سمجھنے سے بھی قاصر ہوتے جا رہے ہیں)۔ شعر کا ترجمہ نہ صرف اس کی شہرتِ نظم کو دیتا ہے بلکہ اس سے اس کی اثر انگیزی بھی باقی نہیں رہتی۔ اشعار کا مفہوم تو سمجھایا جاسکتا ہے، ان کا ترجمہ انہیں بے رادح بنا دیتا ہے۔ اس لئے ہم نے ایسے مطالبات کے پورا کرنے سے اکثر معذرت چاہی ہے۔ اور پیامِ مشرق کے یہ اشعار نہ صرف یہ کہ ان کی زبان فارسی ہے بلکہ ان میں جو فلسفہ پیش کیا گیا ہے وہ بھی بڑا دقیق ہے اس لئے بھی ان کا ترجمہ مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں ہم انہیں علیٰ حالہ پیش کر دینے پر مجبور ہیں۔

اس کی تلافیِ غلاتہ کے وہ اردو کے اشعار کر دیں گے جو بعد میں آئیں گے۔

پیامِ مشرق کے آخر میں ”صحبتِ رفتگان“ کے زیرِ عنوان، حضرت علامہ سب سے پہلے، ٹالسٹائی کی زبان سے کہلاتے ہیں۔

داروئے بیہوشی است، تاج، کلیسا، وطن

جانِ خدا داد را خواجہ بجائے خرید

اور کارل مارکس کے یہ الفاظ دہراتے ہیں کہ

رازِ دانِ جزد و کل، از خویش نامحرم شد است

آدم از سرمایہ داری، قاتلِ آدم شد است

ٹالسٹائی، ہیگل کے فلسفہ ”افسادِ کو“ عقلِ دوزخ کی تخلیق قرار دے کر، اس پر، ان الفاظ میں سخت تنقید کرتا ہے کہ اس کی رو سے وہ

درسِ رضامی دہم بستہ، مزدورِ طا

ایرانی تحریک کیونکہ کابانی، مزدور، دہریہ حاضر، اضطراب انگیزوں کو دیکھ کر، پکارا اٹھتا ہے کہ

دانہ ایران نکشتہ دار و قیصر بردمید مرگِ نومی رقصہ اندر قصر سلطان و امیر

مدتے در آتشِ نرودمی سوز و خلیل!

تا تہی گرد و حرمیش از خدا داندانِ پیر

طاالسٹائی کا خود ساختہ مذہب، غریب کو تقدیرِ خداوندی پر شاگرد بننے کی تلقین سے درسِ رضامیت ہے۔

دور پرویزی گزشتہ اسے گشتہ پرویز خیز  
 نعمت گم گشتہ خود را ز خسرو باز گیسو  
 اس کے ساتھ ہی مزدوروں کا نمائندہ کوکچن (فراد) اس نصیر قیامت خیز کے ساتھ سامنے آتا ہے۔  
 نگار من کہ بے سادہ دم آمیز است ستیزہ کیش و تتم کوش و فتنہ انگیز است  
 یروین او ہم بزم و درون او ہمد رزم زبان ادبہ سیح و دلش ز چنگیز است  
 اگرچہ تیشہ من کوہ راز پا آورد ہنوز گردش گردوں بکام پرویز است

ز خاک تا بہ فلک ہرچہ جست رہ پایاست

قدم کشائے کہ رفت از کارواں تیز است

اس کے ہمہ پارے سامنے فرانسیسی فلاسفر، آگسٹس کوٹ اور مرد مزدور کا مکالمہ آتا ہے۔ کوٹ، فلسفہ مادیت کا علمبردار تھا اور طبقات کی تقسیم کو مطابق فطرت قرار دیتا تھا۔ اس کے فلسفہ کے جواب میں، مرد مزدور کہتا ہے۔

فریبی بہ حکمت مرا لے حکیم کہ نتوان شکست این طلسم قدیم  
 مس خام را از ذرا اندو دہ؛ مرا خورشے تسلیم منہ مردہ؟  
 حتیٰ کوکچن دادی لے نکستہ سیح یہ پرویز پر کار و نابوہ رنج؟  
 جہاں راست پروزی از دست مزد ندانی کہ ہیں بیج کار است دزد

پے جسم او پوزشش آورد دہ؟

ہاں عقل و دانش فصول خورد دہ؟

از ان بعد، سرمایہ دار اور مزدور کا "قسمت نامہ" ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس تقسیم کی دوسری سرمایہ دار، مزدور سے کہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے اس میں تمہارا بھی حصہ ہے اور میرا بھی۔ اس کی تقسیم یوں ہوگی کہ

خوشحائے کارخانہ آہنگری زمین گلاباگ از غنویں کلیسا از آن تو  
 شعلے کہ شہ خراج برومی نہد زمین باغ بہشت و سدرہ و طوبی از آن تو  
 تلخایہ کہ در دہر آرد، از آن من صہبائے پاک آدم و حوا از آن تو

این خاک و آنچه در شکم او از آن من

و نہ خاک، تا بہ عرش معلیٰ از آن تو

اور پھر مزدور کی یہ دل خراش صدا اُسے دردناک ہمارے کانوں میں آتی ہے۔

ز مزدور بندہ کہ پاس پوشش و محنت کش

نصیب خواہ، ناکردہ کار و رخت حشر

زخوئے فشاں میں نعل خاتم والی      زاشکب کو دک میں گوہر ستار امیر  
زخون من چو، زخوئے سر بھی کلیسا را      بزور بازوئے من دست سلطنت ہر گیر  
خوابہ رشک گلستان زکبیر سحر مہم  
شباب لالہ و گل از طراوت جگر مہم

اور اس کا رد عمل ———

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رنگ ساز      منے کہ شیشہ گدازد بہ ساغر اندازیم  
منان و دیر منان را نظام تازہ دہیم      بنائے میکدہ لائے کہن ہر اندازیم  
زہر ہیزان چمن انتقام لالہ کشیم      یہ بزم غنچہ و گل طسرح دیگر اندازیم  
بطوف شمع چو پروانہ زیستن تاکے  
زخویش میں ہمہ بیگانہ زیستن تاکے

آگے بڑھنے سے پیشتر، ذرا اس حقیقت کو سامنے لائیے کہ یہ اشعار ۱۹۲۳ء سے پہلے کے کہے گئے ہیں۔ اس کے بعد نظام سرمایہ داری اور محنت کشوں میں جو کش مکش ہوئی ہے اور دنیا کے معاشی نظام میں جس قدر انقلابات آئے ہیں، ان اشعار میں ان کی کس طرح پیش گوئی کی گئی ہے۔ اسے کہتے ہیں فراست مرد مرزا! ——— حضرت علامہ نے صحیح کہا تھا کہ

حادثہ جو ابھی پرودہ افلاک میں ہے      عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے  
اس میں ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے "آئینہ ادراک" کہا ہے۔ یعنی ان کی فکر — کشف و الہام نہیں کیا جس کے دعویدار "ماور من اللہ" بن جاتے ہیں۔

(۰)

اب آگے چلیے۔ زبور عجم میں یہ حشر بردار ماں پیغام انقلاب ہمارے سامنے آتا ہے۔  
خواجه از خون رنگ مزدور سازد نعل ناب      از جفا شے وہ خدا یاں کشت دہقان خراب  
انقلاب

(زبور ص ۱۳)

انقلاب لے انقلاب

(۰)

"بال جبریل" میں فرشتوں کا گیت، اسی دوج انقلاب کا طنزیہ نشتر ہے۔ وہ خدائے کائنات کو مخاطب کر کے شکوہ سنج ہیں کہ

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی  
فکش گرازل ترا نقش ہے تا مقام ابھی

خلق خدا کی گھات میں زند و ققیہ و میسر و پیر  
تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی  
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست!  
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بے بند بام ابھی

(۱۳۸)

اور یہی وہ "عرش کے لنگور سے بلا دینے والا" احتجاج ہے جس کے جواب میں خدا کی طرف سے فرشتوں  
کو حکم ملتا ہے کہ اس انسانیت کش نظام کو آٹھنے کے لئے

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو!  
جس گھیسٹہ و مقل کو میسر نہیں دوزی اس گھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو  
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردہ پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو  
حق را بسجود سے صنماں را بطرا فے بہتر ہے چسداغ حرم و دیر بکھا دو

(۱۳۹)

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمی کی سسوں سے

میرے لئے مٹی کا حسم اور بنا دو

بہی بات ضرب کلیم ہیں ان الفاظ میں کہی گئی ہے کہ

لئے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلا دو

(۱۴۰)

ہے ان کی نمازوں سے مہراب ترش ابرو

اس لئے کہ

کثرتِ نعمت گداز اندول بُرد نازی آندو نیب ازادول بُرد

سالیبا اندر چہ سال گردیدہ ام

(جادوینامہ)

نم بچشم منماں کم دیدہ ام

(۵)

پالی جبریل میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے - "لینٹن - خدا کے حضور! - آپ غور کیجئے کہ خدا کا منکر لینٹن  
خدا سے کیا شکایت کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں حل کرنے کے جس کو حکیموں کے مقالات

وہ بات کیا ہے جسے گوش گزار کرنے کی اس طرح اجازت مانگی گئی ہے؟ وہ بات وہی جو ہر کیونٹ کے دل  
میں کھٹکتی ہے کہ

وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے مبود؟ وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سادات؟

اس - آدم خاکی - کے تو خدا اور ہی ہیں؟

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی!

مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات!



ان "خداوند سفیدانِ فرنگی" کے نظامِ سرمایہ داری کا یہ عالم ہے کہ  
 ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جلا  
 یہ علم یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت  
 پتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات  
 اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ

آئندہ تو کچھ کچھ نظر آئے ہیں کہ آخر  
 میخانے کی بنیادیں آیا ہے تنزل  
 چہروں پر جو سرخی نظر آئی ہے سرشام  
 اور اس کے بعد دیکھئے کہ وہ کس جسرت، آمیز یا طنز آلود لہجہ میں کہتا ہے کہ

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں  
 کب ڈوبے گا سرمایہ پستی کا سقیفہ؟  
 دنیا سے تیری منتظر روزِ مکافات! (ص ۱۴)  
 عصر حاضر کا علم و حکمت، تدبیر و حکومت، کس طرح نظامِ سرمایہ داری کے آلود کار ہیں۔ اقبالؒ، مختلف مقامات پر مختلف  
 انداز سے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ ارمغانِ جاز میں ایک بڑی جامع نظم ہے جس کا عنوان ہے۔ "ابلیس کی  
 مجلسِ شوریٰ"۔ اس میں ابلیس کا ایک مشیر، مختلف نظامِ ہائے حکومت کا تجزیہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ

کاروبارِ شہرِ باری کی حقیقت اور ہے  
 مہلِ ملت ہو یا پردیز کا دربار ہے  
 یہ دو دیرِ میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر  
 ہے وہ سلطانِ خیر کی کھیتی یہ جوئی کی نظر (ص ۲۱)  
 دوسری جگہ اس حقیقت کو بڑے انوکھے اور نہایت دلچسپ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ایک دوزخی خدا  
 مناجات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تہمت  
 اور دگر و باری تھائے ہیں سجدۂ شکرانہ بجالانے ہوئے کہتا ہے کہ  
 اللہ ترا شکر کہ یہ خطہ اُپر سوز  
 عقلمند، دورِ حاضر کے طالبِ علم سے کہتے ہیں۔  
 عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے

قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکرِ معاش  
 (ضربِ کلیم ص ۵۲)  
 ارمغانِ جاز میں وہ اُس سے کہتے ہیں۔

مرا کافر کندانِ شریعتِ رنق  
 ترا کافر کندانِ علم کتابی (ص ۱۵۳)  
 جاوید نامہ میں، مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔  
 چار سرگ اندر پٹے ایں دیر میر  
 سود خوار و والی و ملا و پیر  
 دوسرے مقام پر ہے۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری  
 اے کشتہ و سلطانی و ملائی و پیری

نظام سرمایہ داری کے علمبردار، مغربوں اور ناداروں کو جس اسلام کا سبق پڑھاتے ہیں، اقبالؒ اسے ابلیس کا پیدا کردہ قریب قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارمغانِ حجاز میں ابلیس کی زبان سے کہلایا گیا ہے۔  
میں نے ناداروں کو سکھایا سبق تقدیر کا میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

(۱)

لینن نے خدا سے پوچھا تھا کہ

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ دنیا ہے تری منتظرِ یومِ مکافات  
اقبالؒ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ اس میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ  
گیا دورِ سرمایہ داری گیا! تماشا دکھا کر مکاری گیا (بالِ جبریل)  
لیکن وہ کہتے ہیں کہ نظام سرمایہ داری، کمیونزم یا سوشلزم کے ہاتھوں نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ ان کا ماسی نظام  
چل ہی نہیں سکتا۔ یہ خود ناکام رہ جائے گا۔

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک مزد کی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے دفن

(ارمغانِ حجاز ص ۲۲)

اس نظام کا سفینہ، اسلام کے ہاتھوں ڈوبے گا جس کے نظام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ

موت کا پیغام ہر نوعِ ظلمی کے لئے کوئی فغفور و قاتان نے فقیرہ نشیں (ص ۲۲۵)

اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ اسلام کا وہ نظام کیا ہے جس کے ہاتھوں نظام سرمایہ داری کا خاتمہ ہوگا۔

**مثبت نظامِ معیشت**  
نظام سرمایہ داری کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت میں رہنے چاہئیں۔ اقبالؒ کے نزدیک یہ نظریہ، قرآنی نظریہ معیشت کی یکسر نقیض ہے اور ابلتسانہ فکر کی ایجاد۔ ذرائع پیداوار میں بنیادی حیثیت زمین (ارض) کو حاصل ہے۔ اس باب میں اقبالؒ کا نظریہ اس قدر واضح ہے کہ اس میں دو آراء ہو نہیں سکتیں۔ جاوید نامہ میں انہوں نے ”محکماتِ عالم قرآن“ کے جڑیں ستون بیان کئے ہیں، ان میں ایک ستون یہ ہے کہ

ارض ملکِ خدا است

اس عنوان کے تابع وہ لکھتے ہیں :-

حقِ زمین راجز متاعِ مادہ گفت  
یہ خدا یا انکسہ اذ من پذیرد  
ایں متاع لے ہماقت است مفت  
و زوق و گوراندہ سے بگری اورا مگیرا

باطن ”الارض للہ“ ظاہر است

ہر کہ ایں ظاہر نبیند کافر است

(ص ۲۵)

آخری شعر میں اقبالؒ ایک عظیم حقیقت بیان کر گیا ہے۔ ہمارے ہاں کا قدامت پرست طبقہ ”الارض للہ“ یعنی ارض خدا کی ملکیت ہے، کا اعتراف کرتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ محض نظری عقیدہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ کائنات

میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملکیت ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ الارض  
بندہ عقیدہ کی حد تک تو صحیح ہے۔ عملی نظام ایسا نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ "الارض فیئہ کانتظری عقیدہ  
وہا ہی اس لئے کہا ہے کہ اس کے مطابق معاشی نظام متشکل کیا جائے۔ اگر اس عقیدہ کو محض نظری طور پر مانا جائے  
اور عملی نظام اس کے خلاف ہو تو یہ اسلام نہیں، کفر ہے۔

مغور فرمائیے، اقبالؒ کس طرح مسئلہ ملکیت زمین کو کفر و ایمان کی بنیاد قرار دیتے ہیں؟  
آگے چل کر کہتے ہیں:-

رزقِ خود را از زمین بردن رواست      این متاع بندہ ملک خداست (منہ)  
اللہ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ایک می گوئی متاع ازماست      مرد نادان این همه ملک خداست  
ارض حق را ارض خود دانی، بگو      چیست شرح آید لا تغنیل ذل  
این آدم دل با بیسی نبیاد!      من ز ابلیسی ندیدم حسد فساد  
بردم چیزے کہ از آن تو نیست!

داعظم از کارے کہ شایانِ تو نیست (۱۲۵)

اندر اس کے بعد کہتے ہیں کہ

ملک بیزداں را بہ بیزداں بازو      تا ز کار خویش بکشائی گره  
"ابلیس کی مجلس شوریٰ" (ارمغانِ حجاز) میں، ابلیس کی زبان سے کہلوا یا گیا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین!

"ہالی جبریل" میں اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ نظم کا عنوان ہے۔  
آلہ متاعیٰ للہ!

وہ زمیندار کو (جو اپنے آپ کو زمین کا مالک سمجھتا ہے) مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟      کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے عاب؟  
کون لایا کھینچ کر کچھم سے ہاوساؤ گار؟      خاک یہ کس کی ہے کس کا تیر زور آفتاب؟  
کس نے مہر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی؟      موجوں کو کس نے سکھلائی یہ خوشے انقلاب؟

وہ خدا یا! یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں

تیرے آباء کی نہیں۔ تیری نہیں میری نہیں

حَلَّ وَلَا تَغْنِيْلُ ذَا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔ (۵۶)

ما یہ اشعار، قرآنی آیات (۵۶-۵۷) کی تفسیر ہیں۔

جب یہ زمین تیرے آباد کی نہیں تھی تو اسے وراثت میں پا کر مالک بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب یہ نہ تیری ہے نہ میری، تو اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ خدا کی ہے۔ اور قرآن کی رو سے جس چیز کو خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام انسانوں کے فائدے کے لئے کھلی رہے گی، کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں جاسکے گی۔ جیسے اس نے جب کعبہ کے متعلق کہا کہ وہ میرا گھر (بیعتی) ہے تو اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ اسے قناسس بنایا گیا ہے۔ یعنی تمام نوری انسان کے فائدے کے لئے۔ اس لئے وہ۔ سوائے ن المعاکف فیہ الباد ہے۔ یعنی وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں، سب کے لئے یکساں طور پر کھلا۔ یہی حیثیت زمین کی ہے۔ وہ نوری انسان کے لئے متاع (سامانِ زیست) حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کسی کی ذاتی جائیداد نہیں۔

زمین سے آگے بڑھئے تو، نظامِ سرمایہ داری کی دوسری بنیاد فاضلہ دولت .....  
**فاضلہ دولت** (SURPLUS MONEY) ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ صاف اور واضح ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ **يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ**۔ اے رسول! تجھ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر دولت نوری انسان کی رو بہیت عامہ کے لئے دے دیں۔ **قُلِ الْعَفْوَ**۔ (۲۱۴) ان سے کہہ دو کہ تمہاری مزدوریاں سے زائد جس قدر ہے، سب کی سب۔ اس فیصلہ نے فاضلہ دولت کا تصور ہی ختم کر دیا۔ قرآن کریم کے اسی فیصلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اقبالؒ جادید نامہ میں کہتے ہیں کہ قرآن نے

یا مسلمانا گفت حال بر کھن بینہ

سہرچہ اند حاجت فنون داری بدہ

جب دوس میں اشتراکیت کا انقلاب برپا ہوا تو اقبالؒ کی نگہ ٹوٹ رہی دودورس نے اس میں فطرت کے اس اشارہ کو مضرو دیکھا کہ وہ دور قریب آ رہا ہے جب قرآن کا معاشی نظام وجہ اشادابی عالم بن جائے گا۔ ضربِ کلیم کی یہ نظم (جس کا عنوان اشتراکیت ہے) اسی حقیقت کی پردہ کشائی کرتی ہے۔ کہتے ہیں:

قوموں کی روش سے مجھے سونا ہے یہ معلوم

بے سود نہیں روس کی یہ گریز رفتار

اندیشہ ہوا شوخی افکار پر مجبور! فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انساں کی ہوس نے جنہیں کھانا چھپا کر کھانے نظر آتے ہیں تبدیل یک وہ اسرار

قرآن میں ہو غلطہ زن اے مرد مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا جہت کردار

جو حرب قیل العفو میں پوشیدہ ہے اتناک

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہونودار

جب قرآن کی یہ مضمر حقیقت نمودار ہوگی تو اس دن اس دنیا کا نقشہ کیا ہوگا، اسے اقبالؒ نے، جادید نامہ میں

فلکِ مریخ پر، شہرِ مرغین (دینِ کاگلستان) کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس میں

سخت کش و مقال چو غش روشن است از نہابِ دہ خدایاں امین است



کشت کارش بے نزار آجوست حاصلش بے فکر کثیر سے از اوست

اور

نے بازاراں زہیکاراں غروش نے صدا ہائے گلیاں دیدگوش  
اقبالؑ اپنی سندھ کی آندو کو (جس کا ذکر بشرط میں کیا جا چکا ہے) قرآنی نظام کی اس آبیڈیل دنیا میں پورا ہوتے دیکھتا  
ہے جہاں کیفیت یہ ہے کہ

کس دریں جا سائل و محسوم نیست  
عبد و مولا۔ حاکم و محکوم نیست  
اسی کو وہ دین کا حاصل قرار دیتا ہے جب کہتا ہے کہ  
کس نگر دور در جہاں محتاج کس!  
نکتہ و شریعہ میں این است و بس  
(پس چہ باید کرد ملک)

(۶)

اقبالؑ نے جو کچھ نظام سرمایہ داری کے خلاف کہا ہے، مارکسزم کے حامی اسی کی سند سے اسے (اقبالؑ کو) کیونست ثابت کرتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلط نگہی یا فریب انگیزی ہے۔ یہ اقبالؑ کے پیش کردہ نظام یا پیغام کا آدھا حصہ۔ اس کے ساتھ اس کا باقی نصف حصہ ملائے سے پیغام اقبالؑ کا صحیح تصور سامنے آ سکتا ہے۔ علامہ نے (جاوید نامہ میں) اس غلط نگہی یا فریب کاری کی بڑے لطیف انداز میں پردہ دری کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی نظام کے ادھورے مطالبہ سے ابوجہل نے بھی یہی کہا تھا کہ جو کچھ یہ رسول (نبی اکرم) مساوات کے نام سے پیش کر رہا ہے، یہ درحقیقت مزدکیت سے مستعار لیا ہوا نظریہ ہے جسے ستلمانؑ اپنے ساتھ نارتس سے لایا ہے۔ اور یہاں اسے اسلام کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ

ایں مساوات، ایں مواخات، عجمی است خوب می دامن کہ سلطان مزدکی است

(جاوید نامہ۔ لوح الاول۔ ص ۵۹)

اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ علامہ اقبالؑ نے (قرآنی کریم کی روشنی میں) کیونزم یا اشتراکیت کے متعلق کیا کہا ہے اس سے کیونستوں کی مغالطہ آفرینی اور فریب دہی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

## کیونزم کی مخالفت

جب ۱۹۱۷ء میں روس میں کیونزم کا سیلاب اٹھا تو اس نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ انقلاب تھا بھی بڑا زلزلہ انگیز سطح بین نگاہوں نے اسے محض ایک معاشی نظام سمجھا اور نظام سرمایہ داری کے حامیوں کی طرف سے اس

طے عمر قدیم میں ایرانی کیونزم۔

کی مخالفت ہوئی۔ لیکن علامہ اقبالؒ نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہیے تھا۔ جس انقلاب کا دعویٰ ہو کہ وہ ہر نظام کہیں کی بساطِ اُٹ کر ایک جدید نظام دنیا پر مستط کرے گا جس سے غریبوں اور محتاجوں کی دردناک صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں گی اس کا گہری نظروں سے جائزہ اقبالؒ نے لیتا تو اور کون لیتا؟ انہوں نے جب اس فلسفہ و حیات پر نگاہ ڈالی جس کی بنیادوں پر اس عظیم معاشی نظام کی عمارت استوار کرنا مقصود تھا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ نظام کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ انہوں نے اپنے ان تاثرات کو (اپنی مشنری پس چہ باید کرد؟ میں) ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ لاسلاطین، فلا کلیسا، لالہ

انہوں نے کہا کہ یہ منہیانہ فلسفہ انسانی زندگی کی اساس نہیں بن سکتا۔ زندگی مثبت بنیادوں پر ہی قائم رہ سکتی ہے۔

در مقام لانیسا پر حیات سوئے الای خرامد کائنات

لا دالابرگ در سانائتاں! نفی ہے اثبات مرگ و اثناں

زندگی خلا میں باقی نہیں رہ سکتی۔ اگر آپ خلا کو چر کرنے کے لئے تعمیری اقدار مہیا نہیں کریں گے تو تخریبی قوتیں زمین اپنا ڈیرہ جمالیں گی۔ مشہور مغربی فلاسفر لیسکال نے لکھا ہے:

انسانی زمین اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے۔ خلا قدرت کے کارخانے میں محال

ہے۔ اور محض مادی دنیا میں نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی خلا ناممکن ہے۔ انسان جب خدا

پر ایمان چھوڑ دے تو شیطان کی پرستش کرنے لگتا ہے اور اچھے نصیب العینوں سے دست کش ہو

جائے تو برے راستے اس کو خوش آتے ہیں۔ وہ زندگی جس میں نہ ایمان کی گرمی ہو اور نہ اخلاقی نظام

کی کشش، وہ زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ (انسان نے کیا سوچا؟ - ص ۲۳۹)

اقبالؒ نے کہا کہ لاسلاطین اور فلا کلیسا کی حد تک تو بات ٹھیک ہے کہ یہ دونوں قوتیں تخریبی ہیں۔ اور انسانیت کی

برومندی کے راستے میں بری طرح حائل، اس لئے ان کا مٹانا ضروری ہے۔ لیکن اگر الہ حقیقی کا بھی انکار کر دیا

جائے تو اس سے مستقل اقدار خداوندی کا انکار لازم آجاتا ہے۔ اور جب انسانی زندگی میں احتیاد کی

کار خرائی نہ رہے تو پھر انسان حیوانوں کی سطح پر آجاتا ہے جس میں "رول" کے سوا کوئی مقصدِ حیات نہیں

رہتا۔ اقبالؒ نے اس جہنم میں کہا کہ

دین آں پیغمبر حق ناستشناس! بر مساوات شکم وارد اساس

تا آخرت را مقام اندول است بیخ او در دل نہ در آب و گل است (جاوید نامہ ص ۶۹)

طبیعی (یا حیوانی زندگی) کی مساوات کچھ معنی نہیں رکھتی۔ طبیعی زندگی کی ضروریات کا پورا ہونا بیشک لازمی ہے

لیکن حقیقی مساوات بشری و تحریم انسانیت میں مضمر ہے۔

برتر از گردول مقام آدم است

اصل تہذیب احترام آدم است

اور احترام آدم مستقل اقدار خداوندی کے اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ان اقدار کے انکار سے حیوانی آدم

تو زندہ رہ سکتا ہے، انسانی آدم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے انہوں نے کہا کہ

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

(بال جبریل - ص ۱۵)

جہاں تک لاسلطہ طبع کا تعلق ہے انہوں نے کہا کہ حکومت کی شکل بدل دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یورپ شہنشاہیت کو ختم کر کے جمہوریت کی طرح ڈالی تو اس سے محض حکومت کی شکل بدل۔ بعض انسانوں کا دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کا سلسلہ دیسے ہی رہا۔ اگر بدوس، زار کی شہنشاہیت کو ختم کر کے اس کی جگہ "مزدوروں کی حکومت قائم کر دے گا تو اس سے انسانیت کش استبداد میں کمی واقع نہیں ہو جائے گی۔

زہم کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو طریق کہ بہن میں بھی دھبی حیلے ہیں پرویزی

(بال جبریل - ص ۱۶)

کمپوزیم کے فلسفہ اور نظام کا اس طرح گہری نظروں سے تجزیہ کرنے کے بعد اقبالؒ نے ملتِ روسیہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

تو کہ طرح دیگر سے انداختی دل زد ستور کہیں پرواختی

کردہ کار خداوندان تمام بگذرا زلا، جانبِ الا خرام

در گذرا زلا اگر جویندہ تار و اثبات گیسری زندہ

ایک مے خواہی نظام عالمے

جستہ اور اساس مس محکمے

- اساس محکم کا ذکر کرتے ہوئے اقبالؒ نے کارل مارکس کی ایک بنیادی معذوری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ نوعِ انسانی کی مشکلات کا حل اسی معاشی نظام میں مضمر ہے جس میں:-

ہر فرد اپنی استعداد کے مطابق کام کرے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے

مارکس کے رفقاء نے کہا کہ یہ بہت بڑا انقلاب دعویٰ ہے۔ اسے آپ عملاً متشکل کیجئے۔ اس پر مارکس نے کہا کہ میں اس سے معذرت ہوں۔ انسانی مشکلات کا حل تو وہی ہے جسے میں نے پیش کیا ہے لیکن میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ وہ جذبہ محرکہ کیا ہوگا جس کی قوت سے ایک شخص جان مار کر دن رات محنت کرے اور اس کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا لے جتنے کی اسے ضرورت ہے، اور باقی سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دے۔ جیٹک مجھے اس جذبہ محرکہ کا علم نہ ہو جائے میں اس کے لئے عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ اس کے بغیر اس نظام کا قیام ناممکن ہے۔ اس کی پارٹی میں کافی عرصہ تک یہ بحث جاری رہی لیکن جب وہ کسی صورت میں بھی عمل اقدام کے لئے تیار نہ ہوا تو اس کی پارٹی کے کئی ممبر دل برداشتہ ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اس نے ان سے کہا کہ تم اس اختلاف کی وجہ سے مجھ سے الگ ہوتے ہو تو ہر جاؤ لیکن میں تمہاری رضا جوئی کی خاطر ایسا قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں جسے میں ممکن العمل نہیں سمجھتا۔ ایسا کرنا منافقت ہوگا۔

یہ ہے وہ جذبہ محرکہ جسے اقبالؒ نے اس قسم کے نظام کے لئے اساس محکم قرار دیا اور اس سلسلے

میں دوست سے کہا :-

داستانی کہنہ شستگی باب باب فکر دار و دشمن کن از اُم الکتاب  
کیا اس کے بعد کوئی شخص اقبالؒ کو کمیونسٹ کہہ سکتا ہے؟ اقبالؒ نے کمیونزم کے معاشی نظام اور اس کے فلسفہ زندگی کو الگ الگ کر کے دونوں پر تبصرہ کیا اور اسی لحاظ سے مارکس کے قلب اور دماغ کا بھی الگ الگ تجزیہ کیا۔ اس نے کہا کہ مارکس نے نوع انسان کی معاشی مشکلات کا جو حل تجویز کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ قرآن کریم نے یہی حل بتایا تھا اور اسلام کے صدر اقل میں اسے عملاً متشکل کر کے دکھا دیا گیا تھا۔ لیکن اس کا مارکس کا فلسفہ و حیات جو مستقل اقدار خداوندی کے افکار پر متفرع ہے یکسر باطل ہے۔ چنانچہ وہ مارکس کی زندگی کے گوشہ اقل کی ٹہری تعریف کرتا ہے لیکن اس کے دوسرے گوشے کی بنا پر اس کی تردید بھی اسی شدت کے ساتھ کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے :-

صاحب سرمایہ، انسل خلیل یعنی آن پیئیر بے جبریل

مارکس کی بنیادی کتاب کا نام ”سرمایہ“ (DAS CAPITAL) ہے اور چونکہ وہ یہودی تھا اس لئے اسے ”انسل خلیل“ کہا گیا ہے اور ”پیئیر بے جبریل“ کہہ کر اس کے پیغام کے دونوں گوشوں کو جس طرح منعکس کیا گیا ہے اس کی دامن صاحب نظر ہی دے سکتے ہیں۔ اسی تجزیہ کر انہوں نے ارمنیائی حجاز میں ابلتس کے مشیر کی زبان سے ان الفاظ میں پیش کیا ہے :-

وہ حکیم بے حجتی، وہ مسیح بے صلیب نیست پیئیر و لیکن در بطل دار کتاب

اور ذیل کے شعر میں انہوں نے ان ”متشابہات“ کو ”محکمت“ کے پیکر میں ہمیش کر دیا ہے جہاں کہا ہے کہ

زانکہ حق در باطل او مضمر است قلب او مومن دماغش کافر است

کس قدر برجستہ اور بلیغ ہے یہ تجزیہ جس کی رو سے کہا گیا ہے کہ، اس کا قلب درد آگین مفلسوں، محتاجوں، مزدوروں، محنت کشوں کے مسائل کے احساس سے وقعت اضطراب تھا۔ اس لئے اس کا قلب مومن تھا لیکن اس نے وحی کی روشنی سے محروم رہ جانے کی بنا پر جو فلسفہ و حیات پیش کیا وہ یکسر باطل ہے۔ مارکس یا کمیونزم کی بے بصری پر اقبالؒ کا دل کڑھتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وحی کی اساس محکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر عظیم انقلاب نہ صرف ناکام رہ جائے گا بلکہ فساد انسانیت کا موجب بن جائے گا۔ وہ ہزار جان سے چاہتا تھا کہ اس انقلاب کے داعی اپنے فلسفہ و حیات کے لئے قرآن سے راہ نمائی حاصل کریں تاکہ یہ معاشی انقلاب موجب تعمیر انسانیت ہو جائے۔ اس سے یہ معاشی نظام قرآنی نظام کے مماثل ہو جائے گا۔ اس ضمن میں انہوں نے سر فرانسس ٹیگ ہٹنڈ کو ۱۹۳۱ء میں لکھا تھا :-

بالشریم کے ساتھ اگر خدا کو ملا دیا جائے تو یہ نظام اسلامی نظام کے مماثل ہو سکتا ہے۔



علامہ اقبالؒ نے اپنی تنقید میں صرف روس کو مخاطب کیا ہے، چین کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس لئے کہ ان کی زندگی میں چین، کمیونسٹ حکومت کی حیثیت سے ابھرا نہیں تھا۔ لیکن علامہ کی تنقید، کمیونزم کے خلاف ہے، وہ کسی ملک میں بھی کارفرما کیوں نہ ہو۔ یہ حیثیت قابل غور ہے کہ انہوں نے جو کہا تھا کہ کسی محکم بنیاد کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ نظام کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ ان کی یہ پیش گوئی، صرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ روس نے تو پھر بھی ناکام ہونے کے لئے کچھ عرصہ لیا، چین کا نظام ماؤزے تنگ کی شخصیت کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس (بظاہر) تنگ بس عمارت کی اینٹیں ایک ایک کر کے گرنی شروع ہو گئیں اور اب وہ تھوڑے ہی عرصہ کی بہانہ نظر آتی ہے۔ یہی کہا تھا حضرت علامہؒ نے کہ انسانیت لا (کے خلا) میں زندہ نہیں رہ سکتی! اسے کاش! اس وقت دنیا میں کہیں قرآن کے الا کا نظام قائم ہوتا تو اس کے عالم گیر ہونے کے لئے فضا بڑی سازگار ہوتی۔ لیکن اس میں بالیوں چلنے کی کوئی بات نہیں۔ نظام سرمایہ داری کی ناکامی کے بعد، نظام کمیونزم کا ناکام تجربہ، انسانیت کو قرآن کے الا کی طرف آنے کے لئے مجبور کر دے گا۔ قُلِ الْعَفْوَ کا دُور آ کر رہے گا۔

(۵)

ان تصریحات سے علامہ اقبالؒ کے مسلک کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ وہ مارکسزم کے معاشی نظام کو قرآنی کے معاشی نظام کے مماثل سمجھتے تھے لیکن اس کے فلسفہ و حیات کو یکسر کھڑا اور چونکہ کمیونزم میں اس کے فلسفہ و حیات کو اس کے معاشی نظام سے الگ نہیں کیا جاسکتا اس لئے کمیونزم ان کے نزدیک کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کھلے لفظوں میں اس کی وضاحت بہت پہلے کر دی تھی۔ بات یوں ہوئی کہ جب انہوں نے (بانگ درا اور پیام مشرق میں) نظام سرمایہ داری کے خلاف لکھا تو ایک صاحب، شمس الدین حسن نے، جو کمیونزم کے بہت بڑے حامی (اور ہفتہ وار اخبار، انقلاب اور بخاور کے ایڈیٹر رہ چکے تھے)۔ روزنامہ زمیندار (لاہور) کی اشاعت بابت ۲۳ جون ۱۹۲۳ء میں ایک مضمون لکھا۔

بالشویک خیالات کا حامی ہونا جرم ہے تو پھر ہمارے ملک کا سب سے بڑا شاعر، اقبالؒ، قانون کی زد سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ بالشورزم، کاہل مارکس کے فلسفہ و سیاسیات کا لب لباب ہے اور اسی کو عام فہم زبان میں سوشلزم اور کمیونزم کہا جاتا ہے۔ اقبالؒ کی نظم ——— خضر راہ ——— اور ان کے مجموعہ وکلام، پیام مشرق، کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ، ایک اشتراکی ہی نہیں بلکہ اشتراکیت کے مبلغ اعلیٰ ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت علامہؒ کا، ۲۳ جون ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں خط شائع ہوا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ

(۱) میرے افکار کو بالشورزم سے منسوب کرنا غلط ہے۔ بالشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔

(۲) میں مسلمان ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین حل، قرآن مجید نے تجویز کیا ہے۔

(۳) دوسری بالشورم یورپ کی نا عاقبت اندیشی اور خورد غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست رد عمل ہے۔ لیکن مغرب کی سرمایہ داری اور روس کا بالشورم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے۔

(بحوالہ۔ اقبالؒ اور قرآن۔ ص ۱۹)

اس کے بعد انہوں نے ۱۹۴۶ء میں، خواجہ غلام السیدین کے نام ایک خط میں لکھا۔ سوشلزم کے معروف ہر جگہ روحانیت اور مذہب کے خلاف ہیں اور اسے افیون تصور کرتے ہیں۔ فقط افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ یہ مسلمان ہوں، اور انشا اللہ مسلمان مرنے لگا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا یہی قائل ہوں، مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا..... جو روحانیت میرے نزدیک معنوب یعنی انیوی خواص رکھتی ہے، اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے۔ باقی رہ سوشلزم، سوا اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ (مکاتیب اقبالؒ)

اس سے سوشلزم اور اسلام کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے، اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سوشلزم کا فلسفہ حیات ماننے والا، مسلمان نہیں ہو سکتا۔

انہوں نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے، قائد اعظم کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ شریعت اسلام کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم عام معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے..... اسلام کے لئے سوشل طریبا کر میس کی کسی مزدوں شکل میں تردید ہے، جب اسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ علامہ اقبالؒ سوشلزم کے فلسفہ حیات کو اسلام کی نفی قرار دیتے اور اس کے شدید مخالف تھے اور وہ قرآن کے معاشی نظام کو (جو سوشلزم کے معاشی نظام کے مماثل ہے) نوع انسان کی مشکلات کا حل قرار دیتے تھے۔ لہذا اقبالؒ کو کمیونسٹ کہنا بڑی زیادتی ہے۔

## ضرورت رشتہ

مشرق ماحول کی پروردہ دہلی کے ایک معروف خاندان کی

دو شیزہ لڑکی کے لئے جس کی عمر قریب ۲۵ سال اور تعلیم

بی فارمیسی تک ہے، کسی برسر روزگار گریجویٹ یا ڈاکٹر کا رشتہ مطلوب ہے۔ دیگر کوائف

(م - ۱) معرفت - ادارہ طلوع اسلام

۲۵/بی - گلبرگ ۳ - لاہور

معلوم کرنے کے لئے لکھئے۔